اس عہد اور اسی رنگ میں خواجو کرمانی نے غزل کہی اور حافظ نے، جس کی غزل میں حقیقت اور مجاز اور حسنِ معنی اور لطافت بیان کا ایک حسین امتزاج ملتا ہے۔ ان دونوں بزرگوں کی شاعرانہ عظمت کو تسلیم کیا ہے، وہ کہتے ہیں ؎

استاد غزل سعدی ست پیش ہمہ کس اما　　دارد غزل حافظ طرز و روش خواجو

یہ تینوں شاعر فی الحقیقت صاحب دل اور صاحب معرفت سخنور تھے۔ متاخرین نے ان کی تقلید میں عارفانہ مضامین باندھنے شروع کئے لیکن وقت گذرنے پران کا رنگ پھیکا پڑنا شروع ہوگیا۔ اسلوب و معنی فرسودہ ہوگئے نویں صدی ہجری میں بابا فغانی شیرازی نے ایک نئی روش کی داغ بیل ڈالی۔ اس کے کلام میں ہر بیت بہت سے پہلو لئے ہوئے ہوتا تھا۔ دو مصرعوں میں دس باتیں کہی جاتی تھیں۔ یہ طرز تازہ گوئی کے نام سے مشہور ہوئی اور ہندوستان کے شاعروں میں بہت مقبول ہوئی، نظیری نے بھی اس شیوۂ سخن گوئی کو فروغ دیا۔

نظیری نیشاپور کا رہنے والا تھا۔ ایران میں صفوی خاندان کی عملداری تھی۔ اس خاندان کے حکمرانوں نے ایک طرف تو تشیع کو ایران کا رسمی مذہب قرار دیا۔ دوسری طرف شاعروں کو مرثیہ گوئی کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔ ادھر ہندوستان میں سلاطین مغلیہ کی حکومت اوجِ شباب پر تھی۔ بادشاہ اور امراء خود ادیب اور ادیب نواز تھے، ان کی سخن پروری اور شاعر نوازی کی شہرت سن کر نظیری بھی ہندوستان چلا آیا۔ اور اکبر کے دربار سے وابستگی پیدا کی۔ اگرچہ غزل کے دائرہ سے باہر قدم نہیں رکھا اور مدحت سرائی بھی کی تو غزل کی صنف میں، لیکن اکبر سخن شناس اور قدر دان مربی تھا۔ دل کھول کر دادِ سخن دی اور انعام و اکرام سے مالا مال کردیا۔ نظیری کی زندگی خوشحالی اور تموّل میں گذری۔ اس کا کلام خواص و عوام میں بہت مقبول ہوا۔ اگرچہ نظیری نے تازہ گوئی کی روش اختیار کی۔ مگر وہ خود خواجہ حافظ کا معتقد تھا اور خواجہ شیرازی کی پیروی کا مدعی، چنانچہ ایک غزل میں اعتراف کرتا ہے۔

تا اقتدا بہ حافظ شیراز کردہ ایم　　گردید مقتدائی دو عالم کلام ما